ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

پروفیسر خورشید احمد ☆

برصغیر پاک و ہند کے علمی اور دینی اُفق کو درخشاں کرنے والے تمام ستارے ایک ایک کر کے ڈوب گئے ہیں---!

علامہ اقبال گئے، مولانا اشرف علی تھانوی گئے، مولانا ابوالکلام آزاد گئے، مولانا شبیر احمد عثمانی گئے، سیّد سلیمان ندوی گئے، مفتی محمد شفیع گئے، مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی گئے، ڈاکٹر فضل الرحمٰن گئے، مولانا امین احسن اصلاحی گئے، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی گئے--- اور اب مشرق سے اُبھرنے والے اس سنہری سلسلے کا آخری تارہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مغرب کی آغوش میں ہمیشہ کی نیند سوگیا--- انا للہ وانا الیہ راجعون!

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ دولت آصفیہ ہی میں ابتدائی سے اعلیٰ تعلیم تک کے مراحل طے کئے اور عثمانیہ یونیورسٹی سے، جو برعظیم کی تاریخ میں اُردو کے محوری کردار اور اپنی اعلیٰ علمی روایات کی وجہ سے ایک منفرد مقام رکھتی تھی، ایم اے اور ایل ایل بی کی سندات امتیازی شان سے حاصل کر کے اسی جامعہ میں تدریس کی ذمہ داریاں سنبھال لیں۔ تقسیم ملک سے کچھ قبل اعلیٰ تعلیم کے لئے جرمنی گئے اور بون (Boun) یونیورسٹی سے بین الاقوامی قانون کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل کی سند حاصل کی۔ ڈاکٹر حمید اللہؒ کی یہی تحقیق تھی جو بعد میں ضروری اضافوں کے ساتھ ان کی شہرہ آفاق تصنیف Muslim Conduct of State بنی۔ جرمنی سے فرانس منتقل ہوگئے اور سور بون (Sorbonne) یونیورسٹی سے عہد نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں اسلامی سفارت کاری کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ کی سند حاصل کی۔

اس زمانے میں سقوط حیدرآباد (۱۹۴۸ء) کا سانحہ رونما ہوا۔ اس کے بعد پھر ڈاکٹر حمید اللہ پیرس

۱۔ مدیر ''ماہنامہ ترجمان القرآن''، ۵-اے، ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور ۵۴۶۰۰

ہی کے ہو کر رہ گئے۔ میرے استفسار پر ایک بار بتایا کہ میں دولت آصفیہ کے پاسپورٹ پر یورپ آیا تھا۔ پھر میری غیرت نے قبول نہ کیا کہ بھارت کا پاسپورٹ حاصل کروں۔ فرانسیسی شہریت بھی ساری عمر حاصل نہ کی۔ پناہ گزیں کی حیثیت پر تمام عمر قانع رہے اور محض وثیقہ راہ داری (Travel documents) کے ذریعے عالمی سفر کرتے رہے جس کے تحت چھ ماہ کے اندر اندر انہیں فرانس واپس آنا پڑتا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ کسی ملک کے بھی شہری نہ تھے بلکہ ذہنی اور مادی ہر دو اعتبار سے اس دنیا ہی کے شہری نہ تھے۔ ۷۰ سال بغیر پاسپورٹ کے گزارے اور بالآخر وہاں چلے گئے، جہاں کسی دنیوی پاسپورٹ کی ضرورت نہیں ہوتی--- ہاں ان کے پاس ایمان، عمل صالح اور علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کی جانے والی زندگی کا سرمایہ تھا اور یہی ہمیشہ کام آنے والی چیز ہے۔

ڈاکٹر حمیداللہ مشرق اور مغرب کی نو زبانوں پر قدرت رکھتے تھے اور چار میں (اُردو، انگریزی، فرانسیسی، عربی) بلاواسطہ تحریر و تقریر کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مطالعہ اور گفتگو کی اعلیٰ استعداد جرمنی، اطالوی، فارسی، ترکی اور روسی زبانوں میں بھی حاصل تھی۔ پیرس کے مشہور تحقیقی مرکز Centre National de la Researche Scientifique سے ریٹائرمنٹ تک وابستہ رہے۔

علم و تحقیق اور دعوت و تبلیغ سے ایسا رشتہ باندھا کہ رشتہ ازدواج کی فکر کی مہلت بھی نہ ملی اور امام ابن تیمیہؒ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے گھر بار کے جھگڑے سے آزاد رہے اور صرف علم کا ورثہ چھوڑا۔ عالم اسلام کی چوٹی کی جامعات میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، خصوصیت سے جامعہ استنبول سے طویل عرصے تک وابستہ رہے۔ وہ ہر سال چند ماہ وہاں گزارتے تھے۔ جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں بھی ۱۲ خطبات دیئے جو ''خطبات بہاول پور'' کے عنوان سے شائع ہوئے اور ان کا خوبصورت انگریزی ترجمہ ڈاکٹر افضل اقبال نے کیا اور یہ The Emergence of Islam کے نام سے شائع ہوئے۔

میری نگاہ میں ڈاکٹر محمد حمیداللہ مسلمانوں میں پہلے اور آخری مستشرق (Orientalist) تھے۔ مستشرق میں ان کو اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے مستشرقین کے طریق تحقیق (methodology) پر ایسی ہی قدرت حاصل کر لی تھی جیسی غزالی نے یونانی فلسفے پر۔ وہ تحقیق اور طریق تالیف کے باب میں مستشرق ہوئے لیکن اس پہلو سے مستشرقین سے مختلف تھے کہ ان کا قبلہ درست تھا۔ ان کے اصل مآخذ قرآن و سنت اور مسلمانوں کے معتبر اہل علم کی تصانیف تھیں۔ انہوں

نے اسلام کو، جیسا کہ وہ ہے، دنیا کے سامنے پیش کیا۔ البتہ تحقیق و تصنیف، تلاش و جستجو، نقد و احتساب کے ان تمام ذرائع کو کامیابی اور قدرت کے ساتھ استعمال کیا جو مستشرقین کا طرہ امتیاز سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح علمی میدان میں اہل مغرب کا جو قرض مسلمانوں پر تھا، اسے فرض کفایہ کے انداز میں ڈاکٹر صاحب نے چکا دیا اور ساتھ ساتھ وہ کیا جسے انگریزی محاورے Paying in the same coin کہا جاتا ہے۔ الحمدللہ!

ڈاکٹر محمد حمیداللہ فکر و نظر کے اعتبار سے ٹھیٹھ مسلمان تھے۔ انہوں نے سلف کے نقطۂ نظر کو پوری دیانت سے جدید زبان اور استشراق کے اسلوب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیش کیا اور ایک حد تک یہ کہنا درست ہوگا کہ اسلامی علوم اور دورِ جدید کے طلباء اور محققین کے درمیان ایک پُل بن گئے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی علمی دلچسپیوں کا دائرہ بڑا وسیع تھا اور اس حیثیت سے ان کا کام کثیر جہتی (Multidimensional) تھا۔ انہوں نے تحقیق کے مختلف میدانوں میں بڑے معرکہ کی چیزیں پیش کیں لیکن شاید ان کی سب سے زیادہ دَین (Contribution) مسلمانوں کے بین الاقوامی قانون کے میدان میں ہے جس میں انہوں نے علمی دنیا سے یہ منوا لیا کہ بین الاقوامی قانون کے اصل بانی مسلمان فقہاء اور علماء ہیں، سترہویں صدی کے مغربی مفکرین نہیں۔ تدوین حدیث کے باب میں بھی ان کا کام بڑا وقیع ہے اور صحیفہ ہمام ابن مُنبہ کی تالیف اور اشاعت ان کا بڑا کارنامہ ہے جس نے یہ ثابت کر دیا کہ حدیث کی کتابت دور رسالت مآبؐ اور دور خلافت راشدہ ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ یہ مسودہ ان کو جرمنی کی ایک لائبریری سے ملا جس کو مناسب انداز میں تدوین کر کے اور یہ دکھا کر کہ اس اولین مسودے میں لکھی ہوئی احادیث اور بعد کے مجموعوں میں پائی جانے والی احادیث میں کوئی فرق نہیں ہے انہوں نے بڑے سائنسی انداز میں حدیث کی صحت کو منوانے میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ حضور پاک ﷺ کی سیاسی زندگی، آپؐ کے غزوات، سفر ہجرت، خطوط اور وثائق کی تلاش اور ترتیب--- ان سب میدانوں میں ڈاکٹر حمیداللہ نے تحقیق اور تسوید کے وہ نقوش قائم کئے ہیں جو تادیر چراغ راہ رہیں گے۔

اسلامی فقہ کی تدوین اور خصوصیت سے امام ابو حنیفہؒ کی Methodology پر ان کا کام راہ کشا حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامی قانون اور قانون روما کے فرق کو بھی انہوں نے بڑے قاطع دلائل سے ثابت کیا اور مستشرقین کے اس غبارے سے ہوا نکال دی کہ اسلامی قانون دراصل قانون روما سے ماخوذ ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کے ترجموں کی معلومات کو جمع کرنا بھی ان کا ایک

پسندیدہ موضوع تھا اور اس سلسلے میں ان کی کاوش اساسی اور بنیادی کوشش کا مقام رکھتی ہے۔ ان کے طرزِ تحقیق میں صرف کتابی محنت ہی شامل نہ تھی۔ حضور پاک ﷺ کے سفر ہجرت کی تحقیق میں انہوں نے پاپیادہ اور گھوڑے اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر اس راستے پر عملاً سفر کیا جس سے حضور پاکؐ نے ہجرت فرمائی تھی اور اس طرح اس شاہراہ کو متعین کیا جو روایات میں دھندلی ہو گئی تھی۔ قرآن پاک اور سیرت مبارکہ ان کی زندگی کے صورت گر ہی نہ تھے، ان کی علمی دلچسپی کا بھی محور تھے۔

فرانسیسی زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ اور فرانسیسی زبان ہی میں دو جلدوں میں سیرت پاکؐ کی تدوین بھی ان کے نمایاں کاموں میں سے ایک ہے۔ سیرت کی کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی ڈاکٹر صاحب نے خود ہی کیا ہے جو شائع ہو گیا ہے۔ ۱۰۰ سے زیادہ مقالے اور مضامین ان کے قلم سے نکلے اور اہل علم کی تشنگی دور کرنے کا ذریعہ بنے۔ یقیناً ان کی چھوٹی بڑی کل کتب کی تعداد ۱۵۰ سے زیادہ ہے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ سے میری پہلی ملاقات اس زمانے میں ہوئی جب میں ابھی طالب علم تھا اور اسلامی جمعیت طلبہ میں سرگرم تھا اور وہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کو اسلامی دستور سازی میں مدد دینے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔ وہ مولانا سید سلیمان ندوی، مفتی محمد شفیع اور مولانا ظفر احمد انصاری کے ساتھ مجلس تعلیمات اسلامی کے رکن تھے اور اسمبلی کی عمارت ہی کے ایک حصے میں ان کا دفتر تھا۔ ان کے علم کی وسعت اور اس کے رعب کے تحت میرے ذہن نے ان کی ایک تصویر بنا لی تھی لیکن ان کو دیکھ کر مجھ کو ایک دھچکا سا لگا۔ میں نے ان کو ایک دبلا پتلا اور سادہ سا فقیر منش انسان پایا۔ اکہرا بدن، لمبا قد، صاف رنگ، کتابی چہرہ، اوسط لمبائی کی مگر غیر کفی داڑھی، پُرنور آنکھیں--- اور ان سب سے بڑھ کر انکسار کا مجسمہ، تواضع کا پتلا، سادگی کا پیکر اور جس چیز نے سب سے زیادہ حیران کیا وہ یہ تھی کہ اسمبلی کے دفتر میں کرتے پاجامے میں ملبوس اور پاؤں میں کھڑاؤں--- پتا نہیں آج کی نسل اس شئے سے واقف بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے بچپن میں وضو کے لئے لکڑی کی سادہ سی چپل ہوتی تھی جسے کھڑاؤں کہتے تھے اور جو بالعموم غسل خانے میں رکھی جاتی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی یہ تصور نہ آ سکتا تھا کہ کوئی اسمبلی کے دفتر میں کھڑاؤں پہنے بیٹھا ہوگا۔

حیرانی کی یہ کیفیت چند ہی لمحات میں ان کی شفقت اور پیار سے بھری باتوں سے دور ہوگئی اور تبحر علمی کے ساتھ ان کا انکسار دل پر نقش ہوگیا۔ بات آہستہ آہستہ دھیمے لہجے میں، کچھ کچھ رک کر

اور سر ہلا ہلا کر کرتے تھے مگر اس طرح کہ دل میں اتر جاتی تھی۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے اس وقت مجھے چونکا دیا جب چراغ راہ کے اسلامی قانون نمبر کی اشاعت پر بالکل غیر متوقع طور پر ان کا تین صفحے کا خط موصول ہوا۔ اور تین صفحے بھی ایسے کہ ان میں ۱۰ صفحوں کا لوازمہ موجود تھا، کیونکہ ڈاکٹر صاحب ہلکے کاغذ پر چھوٹے حروف میں اس طرح لکھتے تھے کہ مختصر حاشیے کے سوا ہر جگہ بھری ہوتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ چونکا دینے والی بات ان کی محنت تھی۔ اسلامی قانون نمبر پر بہت خوش تھے۔ بڑی فراخ دلی سے اس کی تعریف کی لیکن ساتھ ہی بڑے انکسار سے لکھا کہ آپ کو زحمت سے بچانے کے لئے دوسرے ایڈیشن کے لئے کتابت کی غلطیوں کی نشان دہی کر رہا ہوں--- اور اس طرح صفحہ اور سطر کے تعین کے ساتھ تین صفحوں میں انہوں نے میری اور میرے ساتھیوں کی بے احتیاطی کی تلافی کا سامان کر دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے خط و کتابت کا سلسلہ ۴۰ سال پر پھیلا ہوا ہے مگر کس دل سے لکھوں کہ اس کا بیشتر حصہ محفوظ نہ رہ سکا! آخری خط میری مختصر کتاب Family life of islam کے فرانسیسی ترجمے پر ان کی تصحیح و تنقید سے عبارت تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۱۹۴۸ء میں جو فلیٹ پیرس میں کرائے پر لیا تھا، وہ ایک ایسی عمارت کی چوتھی منزل پر تھا جس میں لفٹ نہ تھی۔ انہوں نے پیرس کے قیام کے آخری ایام تک اسی میں سکونت رکھی۔ اس فلیٹ کا ایک ایک کونہ بشمول باورچی خانہ کتابوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔ زندگی اتنی سادہ کہ کپڑے کے چند جوڑوں اور کھانے کے چند برتنوں کے سوا ان کے گھر میں کچھ بھی نہ تھا۔ کھانے کے بارے میں بھی اتنے محتاط تھے کہ حلال گوشت نہ ملنے کے باعث زمانہ طالب علمی میں ہی گوشت کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ سبزی اور پنیر پر گزارا کرتے تھے اور جب یہ شبہ ہوا کہ پنیر میں بھی جانور کی آنتوں کی چربی استعمال ہوتی ہے تو اس سے بھی دست کش ہوگئے۔ علم و تقویٰ، قناعت اور سادگی میں سلف کی مثال تھے۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کے ساتھ متعدد علمی مذاکرات میں شرکت کی ہے لیکن سب سے زیادہ یادگار وہ مخیم (تربیتی کیمپ) تھا جو فرانس میں ایک دیہاتی علاقے میں فرانس کی مسلمان طلبہ کی اسلامی تنظیم (UMSO) کے تحت منعقد ہوا تھا اور جس میں پانچ دن رات ہم نے ساتھ گزارے۔ ڈاکٹر صاحب بھی عام طلبہ کی طرح زمین پر سوتے اور اپنے برتن اپنے ہاتھ سے دھوتے تھے۔ مجھے یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ کمالِ التفات سے ڈاکٹر صاحب نے میری تقاریر کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ فرمایا۔ جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

وقت کی پابندی میں بھی ڈاکٹر صاحب اپنی مثال آپ تھے۔ اس کی کوئی دوسری مثال اگر میں دے سکتا ہوں تو وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے۔ یہاں اس واقعے کا ذکر بھی شاید غیر متعلق نہ ہو (اور اس کے راوی ڈاکٹر صاحب کے دیرینہ ساتھی اور میرے بزرگ دوست احمد عبداللہ المسدوسی مرحوم ہیں) کہ حیدر آباد کا نوجوان حمیداللہ اپنی پوری طالب علمی کے دور میں صرف ایک بار کلاس میں تاخیر سے پہنچا (غیر حاضری کا تو سوال ہی نہ تھا) اور یہ وہ دن تھا جب ان کی والدہ کا انتقال ہوا۔ تدفین کے بعد یہ نوجوان سیدھا جامعہ گیا اور کلاس میں شریک ہوگیا: ؎

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندا طبع لوگ

افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

ڈاکٹر حمیداللہ صرف علم و تحقیق ہی کے مرد میدان نہ تھے، دعوت و تبلیغ میں بھی ڈوبے ہوئے تھے۔ پیرس کی جامع مسجد میں ایک مدت تک تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے۔ انفرادی ملاقاتوں سے لے کر تبلیغی دورے اور ملکی اور بین الاقوامی کانفرنسیں--- ہر جگہ انہوں نے دعوت کا کام انجام دیا۔ فرانس میں وہ صرف شمالی افریقہ کے مسلمانوں کا ہی مرجع نہ تھے بلکہ فرانسیسی مسلمانوں کا بھی ایک حلقہ ان کے گرد قائم تھا۔ طلبہ اور نوجوانوں میں وہ بے حد مقبول تھے۔ وہ ان کو وقت دینے میں بے پناہ فراخ دل تھے۔

ڈاکٹر حمیداللہ سیاسی آدمی نہ تھے۔ اربابِ حکومت نے ان کو قریب لانے کی کوشش کی لیکن وہ ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہے۔ علمی اور ادبی اعزازات سے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ ہمیشہ ان سے دامن کش رہے۔ مجھے علم ہے کہ فیصل ایوارڈ میں ان کا نام آیا لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔ پاکستان نے ہجری ایوارڈ ان کو پیش کیا مگر انہوں نے رسمی طور پر قبول کرنا پسند نہ کیا اور رقم اسلامک یونیورسٹی کے لئے وقف کر دی۔ سیاسی نہ ہوتے ہوئے بھی ان کی دینی حس اتنی بیدار تھی کہ آزاد حیدرآباد دکن سے یورپ جانے کے بعد مقبوضہ حیدر آباد دکن کبھی واپس نہ آئے بلکہ جب میں نے اصرار کیا کہ اسلامک فاؤنڈیشن لسٹر کے پروگرام میں شریک ہوں تو بڑے دکھے دل سے کہا کہ میں اس انگلستان کی سرزمین پر قدم رکھنا پسند نہیں کرتا جس نے میرے آزاد ملک کو بھارت کی غلامی میں دے دیا۔ وہ کبھی برطانیہ نہ آئے۔

ڈاکٹر حمیداللہ اس وقت تک تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر میں مصروف رہے جب تک قویٰ نے

ساتھ دیا۔ جب بیماریوں نے اس طرح آلیا کہ یہ کام جاری نہ رکھ سکے تو اپنی جان سے قیمتی لائبریری علمی کاموں کے لئے وقف کر دی اور خود امریکہ میں اپنے عزیزوں کے پاس چلے گئے۔ جب مجھے ایک اعلیٰ پاکستانی افسر اور سید حسین نصر کے توسط سے ان کی اس حالت کا علم ہوا تو میں نے کوشش کی کہ وہ پاکستان تشریف لے آئیں اور اس سلسلے میں صدر مملکت کو میں نے ایک خط بھی لکھا جس کا مثبت جواب ملا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنے اعزہ کی پیش کش کو ترجیح دی اور فلوریڈا منتقل ہوگئے۔ افسوس پاکستان ان کے اس آخری دور میں ان کی خدمت کی سعادت سے محروم رہا۔ ۲۰۰۲ء کے دسمبر کے تیسرے ہفتے میں ایک صدی (۹۵ سال) اس عالم ناپائیدار میں گزار کر، علم و دعوت کی سینکڑوں شمعیں روشن کر کے، اللہ کا یہ بندہ اپنے رب کی طرف مراجعت کر گیا تا کہ عبادالرحمٰن کے ابدی مسکن کو پالے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی بشری لغزشوں سے صرف نظر کرے اور انہیں جنت کی بہترین وادیوں میں جگہ دے۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

ادارہ تحقیقات اسلامی

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ، اسلام آباد

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

حیات وافکار کے چند پہلو

ترتیب وتدوین سفیر اختر

مولانا علی میاںؒ پر تازہ ترین کتاب ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۔ حیات وافکار کے چند پہلو'' کے نام سے شائع ہوگئی ہے۔ اسے ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد نے شائع کیا ہے۔ کتاب ۱۵ فاضل علما اور ارباب فکرودانش کے مقالات پر مشتمل ہے۔ اس مجموعے کو نسبتاً جامع بنانے کے لیے خود مولانا مرحوم اور ان کے بعض معاصرین کی تحریریں اور مکاتیب شامل کیے گئے ہیں جن تک عام قارئین کی رسائی نہیں ہے۔ ان تحریروں سے مولانا علی میاں کی زندگی اور سوچ کے متعدد پہلو اجاگر ہوئے ہیں اور کتاب کی معنویت میں اضافہ ہوا ہے۔

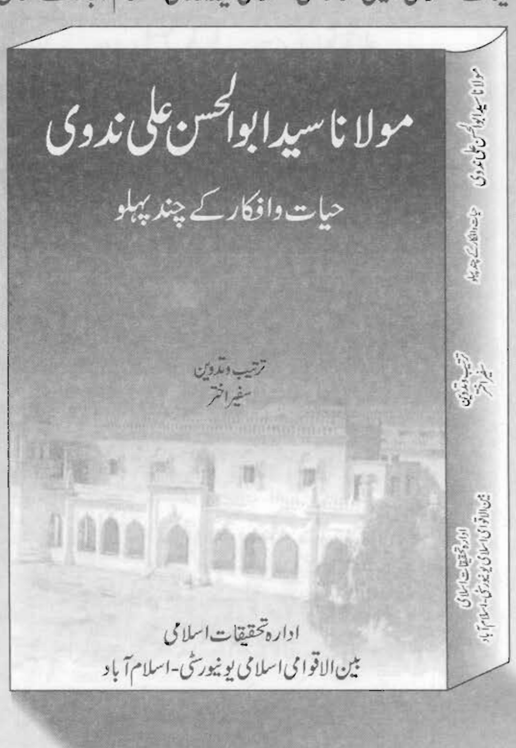

مولانا علی میاں کی جملہ کاوشیں دین کے ہمہ گیر اور جامع تصور کی تشریح وتوضیح پر مبنی تھیں۔ وہ ہمیشہ ملت اسلامیہ کے عروج اور غلبے کا خواب دیکھتے رہے۔ انہیں پاکستان سے گہری محبت تھی اور اسے اسلام کا گہوارہ دیکھنے کے متمنی تھے۔ وہ ایک خلق کے لیے چشمہ نور وہدایت تھے اور ان کی زندگی میں سلف کے بزرگوں کی جھلک دیکھی جاسکتی تھی۔ ایک بڑے عالم، مفکر، داعی ، ادیب اور بزرگ سے متعلق یہ کتاب سلیقے سے ترتیب دی گئی ہے اور اہتمام سے شائع کی گئی ہے۔

صفحات: ۳۳۳ ISBN No. 969-408-227-7 قیمت: 300-00 روپے

کتاب منگانے یا ادارہ کی کتابوں کی فہرست حاصل کرنے کے لیے رابطہ فرمائیے

ڈائریکٹر مطبوعات ، ادارہ تحقیقات اسلامی ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵، اسلام آباد

فون نمبر: ۲۲۵۴۸۷۴، فیکس: ۲۲۵۴۸۷۴، ای میل (<Smalqbal@apollo.net.PK.>)

(مولانا) ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور مجلس علمی

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد☆

دنیائے مشرق و مغرب کے سنجیدہ علمی و تحقیقی حلقوں میں ڈاکٹر حمیداللہ کی جامع الصفات شخصیت، ان کا علمی مقام و مرتبہ اور بے پناہ علمی و تحقیقی کارنامے اب یقیناً کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ چند سال کم پوری بیسویں صدی گویا ان ہی کی تھی۔

انہوں نے اپنی پیدائش (۱۶/محرم ۱۳۲۶ھ/۱۹ فروری ۱۹۰۸ء دکن، بھارت) کے بعد دارالعلوم اسکول نظام کالج اور جامعہ عثمانیہ (حیدر آباد دکن) سے گزر کر ایم اے، ایل ایل بی تک اور پھر ڈی فل (بون، جرمنی) کے بعد ڈی لٹ (سوربون، فرانس) تک کے تمام مراحل محض ۲۸ سالہ عمر میں (۱۹۳۶ء تک) طے کئے اور پھر تدریس سے اپنے کیریر کا آغاز کیا۔ ان کے ۹۴ سالہ (فروری ۱۹۰۸ء-دسمبر۲۰۰۲ء) دورِحیات میں کم از کم ۶۰ سال (۱۹۳۶-۱۹۹۶) ایسے ہیں جبکہ ان کے دن و رات تسلسل کے ساتھ تعلیم، تدریسی، دینی، تبلیغی، تصنیفی، تالیفی سرگرمیوں میں بسر ہوئے۔ وہ اپنی مرنجاں مرنج شخصیت اور مختصر سراپا رکھنے کے باوجود علم و تحقیق کے مختلف میدانوں میں ایسے بلند و بالا مینار قائم کر گئے جو مدتوں ان کے نام اور کام کی بلندی نمایاں کرتے رہیں گے۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ علیہ الرحمۃ نے اپنی پوری زندگی بہت سادگی اور پاکیزگی سے گزاری۔ اس مادی دنیا سے اپنا تعلق انہوں نے محض رسماً اور تکلفاً ہی قائم رکھا تھا۔ نہ شادی بیاہ کیا نہ گھر گرہستی کا اہتمام روا رکھا، اپنے وطن مالوف (حیدرآباد اسٹیٹ) کو قبضہ غاصبانہ کے بعد چھوڑا تو ایسا چھوڑا کہ ادھر کا رُخ نہ کیا، نہ کسی اور ملک کی شہریت حاصل کی، نہ مکان، نہ دکان نہ جائیداد بنائی، پوری زندگی ایک سادہ سے کرایہ کے فلیٹ میں گزار دی، جہاں نہ ساز و سامان تھا نہ اسباب تعیش، ہر طرف ہر جگہ کتابیں ہی کتابیں، اسی کے ہی انبار جن کا نہ قطار نہ شمار، نہ روایتی باورچی خانہ تھا نہ وارڈ روب، وہ صرف زندہ رہنے کے لئے بقدر ضرورت کھاتے پیتے تھے۔ گوشت وغیرہ مدتوں پہلے چھوڑ چکے تھے۔

۱۔ R-274/17, F.B. Area، کراچی

زیادہ تر سبزی ترکاری سلاد پر گزارہ، کپڑوں کے گنے چنے جوڑوں میں سب موسم گزار دیئے۔ خدم حشم سے بے نیاز اپنے سب کام خود کرتے، خط بھی خود لکھتے، چھوٹے سے کاغذ پر باریک خط میں آگے پیچھے اوپر نیچے، یعنی کم سے کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ مضمون آجائے اور ''ضیاع'' سے بچا جائے۔ انہوں نے دنیا کو خود تو بہت کچھ دیا لیکن دنیا سے نہ لینے کے برابر لیا۔ اس عرصۂ دہر میں انہوں نے خود کو حدیث رسول کے مطابق محض ایک مسافر کی حیثیت سے ہی متحرک رکھا۔ ارشاد نبویؐ ہے: **مالی وللدنیا، وما انا والدنیا الا کراکب استظّل تحت شجرۃٍ ثم راح و ترکھا** (مشکواۃ بحوالہ ترمذی عن ابن مسعودؓ) مجھ کو دنیا سے کیا واسطہ؟ میری اور دنیا کی مثال (تو) ایسی ہے کہ جیسے کوئی سوار (مسافر) چلتے چلتے کسی درخت کے نیچے (ستانے، سایہ لینے کو) ٹھہر جائے پھر اس (درخت، سایہ کو) چھوڑ کر اپنی راہ لے۔

ڈاکٹر حمیداللہ کی پوری زندگی قیام حیدرآباد کے بعد مسلسل مسافرت میں گزری۔ ''مقبوضہ'' دکن (دولت آصفیہ) اور ''غاصب'' فرنگیوں کی سرزمین کے علاوہ پوری دنیا اُن کی گزرگاہ تھی۔ شمال جنوب مشرق مغرب ہر سمت میں، ہر ملک میں ان کا آنا جانا تھا اور خصوصاً عالم اسلام کی اہم شخصیات، علمی تحقیقی ادارے اور جامعات سے ان کا رابطہ مسلسل رہتا تھا۔ فروغ علم و تحقیق کے لئے انہوں نے اگرچہ اپنی ذاتی حیثیت میں جو کچھ کیا (اس کی تفصیل ایک الگ مضمون کی متقاضی ہے) وہ اپنی جگہ وقیع ترین ہے تاہم یہ بھی ان کی عظیم خدمت ہے کہ دنیا بھر کے تعلیمی تحقیقی اداروں کے منصوبوں میں ان کی دلچسپی، مشاورت، رہنمائی اور ہر ممکن تعاون تاحیات قائم رہا۔ خصوصاً اسلامی تبلیغی ادارے، مساجد اور جامعات جہاں قرآن و حدیث اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم تدریس اور تحقیق کا سلسلہ جاری تھا اور جن کی حوصلہ افزائی، قدردانی اور فراخدلانہ مدد و تعاون ڈاکٹر صاحب مرحوم ضروری سمجھتے تھے۔ اس کی صاف وجہ یہ تھی کہ ڈاکٹر صاحب ایک سیدھے، سچے مسلمان، صاحب ایمان عالم و محقق اور بے لوث خادم علم تھے۔ انہوں نے ساری عمر مغربی علماء و فضلاء یورپی محققین اور مستشرقین کے درمیان گزاری۔ ان مستشرقین کی بدنیتی، اسلام سے ان کا بغض، مسلمانوں سے نفرت اور علم و تحقیق کے پردہ میں ان کے مذموم مقاصد اور دسیسہ کاریاں، ان کے طور طریقے اور حملے و حربے وہ خوب جانتے اور پہچانتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے مقدور بھر مغربی علماء اور مستشرقین کے جواب میں، ان ہی کی زبان، انہی کے طرزِ تحقیق اور انہی کے معیار پر، مضامین، مقالات، کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے اور اپنے آپ کو منوا لیا۔ اسلام، پیغمبر اسلام اور مآخذ اسلام کے بارے میں پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا، ان کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا، ان کی مغالطہ آمیز تحقیقات کا پردہ چاک کیا، اور بالآخر اسلام کی

برتری، علم و تحقیق میں مسلمانوں کی اوّلیت، تہذیب و تمدنِ اسلامی کی فوقیت اور اسلاف کے کارناموں کی وقعت و اہمیت کو دنیا سے تسلیم کرالیا۔ وہ نام نہاد مغربی علماء محققین اور کینہ پرور مستشرقین سے ان ہی کی زبان میں بات کرتے تھے۔ اُردو، انگریزی، فارسی، عربی تو گویا ڈاکٹر صاحب کے گھر کی زبانیں تھیں۔ اس کے علاوہ فرانسیسی، جرمنی، اطالوی، ترکی، روسی زبانوں میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ انتقال سے دس سال پہلے تھائی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ زبانوں کے تنوع کے ساتھ ساتھ ان کی دلچسپی کے اگرچہ بہت سے میدان تھے مثلاً بین الاقوامی اسلامی قانون میں تو انہیں تخصص ابتداء سے ہی حاصل تھا، یا مثلاً تدوین فقہ اسلامی، امام ابوحنیفہؒ اور ان کی فقیہانہ کوششیں وغیرہ۔ تاہم ان کی علمی وتحقیقی دلچسپیوں کا، ایک متدین مسلمان ہونے کی حیثیت سے، محور و مرکز قرآن اور حدیث و سیرت ہی تھا۔ چنانچہ ان موضوعات پر اور ان کے متعلقات پر انہوں نے اُردو، انگریزی اور فرانسیسی زبان میں معرکۃ الآراء تخلیقات و تحقیقات پیش کیں جن کی عالمی سطح پر زبردست پذیرائی کی گئی۔ فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور دو جلدوں پر مشتمل فرانسیسی میں ہی سیرت رسول ﷺ پر ان کی تصنیف، یادگار کارنامے ہیں۔ قرآن و حدیث اور سیرت سے والہانہ شیفتگی کے ہی سبب ان موضوعات پر کام کرنے والے اشخاص، ادارے دنیا میں کہیں بھی ہوں ان سے ربط و ضبط رکھنا، ان کی حوصلہ افزائی اور علم و تحقیق کے حوالہ سے ان کی ہر ممکن مدد و اعانت گویا ڈاکٹر حمیداللہ صاحب پر واجب اور ضروری تھا۔

چنانچہ برصغیر کا ایک قابل ذکر قدیم ادارہ جو ''المجلس العلمی'' کے نام سے اکتوبر ۱۹۳۱ء (جمادی الاوّل ۱۳۵۰ھ) میں علوم و معارف اسلامی کی ترویج و اشاعت کے لئے عموماً اور نادر و کمیاب اسلامی علمی ذخائر اور قدیم دینی مآخذ کی دریافت اور ان کی محققانہ طباعت و اشاعت کی غرض سے خصوصاً قائم کیا گیا تھا[1]۔ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب مرحوم و مغفور کی توجہ کیوں نہ حاصل کرتا اور ان کے فیضانِ کرم سے کس طرح محروم رہ سکتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر حمیداللہ صاحب اور مجلس علمی کے درمیان ربط و تعلق کا سلسلہ کافی عرصہ پر محیط ہے۔

مجلس علمی کے قیام کا ایک خاص پس منظر ہے جس نے اس ادارہ کو ایک مخصوص نوعیت عطا کی اور یہ خالص علمی و تحقیقی ضرورت کے تحت ایک تصنیفی تالیفی اشاعتی ادارہ کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ اس ادارہ کی شہرت و ناموری کی دوسری وجوہات بھی ہیں لیکن اس کا اصل اعزاز و افتخار اور باعث فیضان و عروج وہ نایاب شخصیت ہے جس کی سرپرستی و سرکردگی میں یہ ادارہ قائم ہوا، جس کی وجہ سے یہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (سورت، گجرات بھارت) سے منسلک و ملحق ہوا۔ اور جنہوں نے اسے تعلیم،